شکایت...

اک چراغِ لالہ لے کر ڈھونڈتا تھا نامہ بر
تھا پیامِ عرش میرے نام، مجھ سے بات کر
وہ زماں کا سعد جس کا نام اکثر ہے سنا
ہے شکایت کا ترنم اس کے بپھرے ہونٹ پر

اے خُدا تجھ کو کہاں ڈھونڈیں کہ ہے تو عرش پر
عاشقانِ بے سبُو سب گھومتے ہیں فرش پر

طُور پر، دیر و حرم، دشت و سمندر میں ملے
دل کی دنیا کو بسائے پھر اسی گھر میں ملے
فرش تو پھیلا ہوا ہے ہر بجانب شرق و غرب
ہم تو مل جائیں ہیں اس دل میں بھی جو دل بے طلب

جو مٹائے فاصلے میں در کروں سب اس پے وا
کب تھے دیکھے خواب ہم سے تو نے ملنے کے بتا

ہے شکایت تجھ کو یہ بھی، دکھ تجھے بے حد دیے
جا تو لکھ لے اپنی قسمت تجھ سے یہ موتی لیے
پھر نہیں کہنا خوشی دل کو ذرا بھاتی نہیں
آرزو، امید کوئی تشنگی لاتی نہیں

فہم سے بھی دور میرے، ذات تیری با کمال
پوچھ لوں میں، مضطرب مجھ کو کرے ہے یہ سوال
کوئی قادر کہہ رہا، کوئی معمہ کہہ رہا
کیا تری توفیق سے جذبات میں یوں بہہ رہا؟

طُور شاہد ہے کہ تُو نہ تاب لا پایا تھا تب
لن ترانی سن کے بھی تو خواب لے آیا تھا جب
تھا خلیل اللہ کو فہمِ ذات، جب تھے آگ میں
تان دیپک ہو نہ پائے گی تری اس راگ میں
تو کہاں کب دید میری سے ہوا ہے آشنا
سب یہ منطق گھڑ رہا ہے جھوٹ پر اے بے وفا
کھا قسم کیا روح تیری ہے نہیں مجھ پر گواہ
کیا مرے نغمات میں تجھ کو سنائی دے نوا؟

کیوں ہے بانٹا تو نے لوگوں کو بہت طبقات میں
ایک رہتا ہے محل میں، اک نرے خدشات میں

ہے بجا تیری شکایت تُو بھی تو نادان سن
آ سحر کو اوڑھ لے آذان حبشی کی تو سن
کیوں شکن ماتھے پہ تیرے ذکر جو شداد کا
کس خوشی سے کِھل رہا تُو، آج دن میلاد کا

یہ گلہ تجھ کو کہ عمرِ مختصر کیوں کی عطا
پھر تنوع اس قدر ہوتی طبیعت کیوں فدا

کچھ تو تُو بھی اس وفا کے عہد کا ہی مان رکھ
ہم سے کچھ تو دل لگا، کوئی مزہ اس کا بھی چکھ
تو کرے دعوے بہت، جا عشق کو تو عام کر
میں ترے دعوے کو مانوں، جان گر تو نام کر
اور یہ بھی جان لے میری امانت ہے یہ جاں

جب اسے لوٹا رہا کیوں کر رہا آہ و فُغاں
موت بھی تجھ کو عطا کی یوں کہ دائم تو رہے
اک نئی دنیا میں گھر ہو اور قائم تو رہے

کس قدر ہے سہل فطرت سے ہوا میں بدگماں
دِکھ رہی آدم کی منزل، آرزو اک بے کراں
ہم کو کیا معلوم تھا، ایسے فتن ہوں گے عیاں
ہوں گے ہم ابلیس کے پرکار میں پیدا وہاں
زور فتنوں کا اٹل مردِ مسلماں کا دیار
جانتے ہم کاش کیسی وہ امانت جس کا بار
قید کر رکھا ہمیں الحاد کی عشرت نے جب
چھید کر رکھا ہمیں اسلام کی فطرت نے تب
تھے صحابہ، ناز کرتا جن پے تھا جبریل بھی
کربلا کی داستاں سن رو رہا قابیل بھی
سعدؓ، طلحہؓ، عمرؓ، عثماںؓ اور علی المرتضٰیؓ
سب کا منصب، سب کا جھنڈا ہر گھڑی اونچا رہا
تھی ملائک کی جو حسرت وہ مقامِ عالیہ
تیرے حصے میں تھا آیا، تخت تو نے پا لیا
کیا کہا، اسلام کی فطرت بھی تجھ پے بار ہے
طاعتِ نفسی نے تجھ کو کر دیا بے کار ہے

اب فسانے عشق کے اپنے ذرا تو ہم سے سن
استعارہ، مے کا لا کے، گا رہا تو جس کے گُن
پھر گلہ ہم سے کہ اتنا درد کیوں جذبوں میں ہے
حسن حدت میں نہیں، تحقیر کے حربوں میں ہے
حسن کی مسند پے کچھ افراد کیوں بیٹھے ہوئے؟
سنگ جیسے دل ہیں ان کے، چال میں اینٹھے ہوئے

کیا تجھے اب میں بتاؤں، ہے کہانی پیچ دار
حسن کے ادراک میں تیرا نہیں ہے اعتبار
تیری کُل دیوانگی بس کاکل و رخسار میں
کیا یہی اوصاف ہوتے عشق کے بیمار میں؟

تو نے ہے مسند سجائی حسن والوں کے لئے
راہ یوں ہموار کر دی دل کے کالوں کے لئے
معذرت میری، میں تیرے عشق کا قائل نہیں
بے طلب تو در پے آئے تو کہوں سائل نہیں
تیرے جذبے ہوں جو سچے تو مسیحا وقت ہے
قُم ذرا تو بول، جی اُٹھے گا جو دو لخت ہے

اب بھی گر تجھ کو شکایت، منہ تو مجھ سے موڑ لے
اس فلک سے، اس دھنک سے سارے رشتے توڑ لے
لوٹ آیا پھر بھی تو سب در کروں گا تجھ پہ وا
پھر سجے گی ساری دنیا تیری خاطر بے وفا